© rasailojaraid.com

خلافت کے مسائل نمٹائیں اور سابقہ خلفاء کے فیصلوں کو نہ چھیڑیں۔ اس کے جواب میں حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے دو باتیں فرمائیں۔ ایک یہ کہ ہشام بن عبد الملکؒ سے پوچھا کہ اگر ان کے پاس دو دستاویزات ہوں' ایک ان کے والد محترم عبد الملک بن مروانؒ کی طرف سے ہو اور دوسری خلافت بنو امیہ کے بانی حضرت معاویہؓ کی طرف سے ہو تو وہ کس دستاویز کو ترجیح دیں گے؟ ہشامؒ نے جواب دیا کہ وہ حضرت معاویہؓ کی دستاویز کو ترجیح دیں گے اس لیے کہ وہ پہلے کی ہے۔ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے کہ ان کے پاس اس سے بھی پہلے کی دستاویز موجود ہے جو اللہ کی کتاب ہے اس لیے وہ اس پر عمل کو ترجیح دیتے ہیں۔ دوسری بات انہوں نے یہ دریافت فرمائی کہ اگر کوئی شخص فوت ہو جائے اور اس کی اولاد میں سے ایک یا دو طاقت ور افراد ساری جائیداد پر قبضہ کر کے باقی ورثاء کو محروم کر دیں اور کسی وقت آپ کو یہ اختیار حاصل ہو جائے کہ آپ ان کے درمیان انصاف کر سکتے ہیں تو آپ کیا کریں گے؟ ہشامؒ نے جواب دیا کہ میں قبضہ کرنے والوں سے جائیداد واپس لے کر سب ورثاء میں اصول کے مطابق تقسیم کر دوں گا۔ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے فرمایا کہ میں بھی یہی کچھ کرنے لگا ہوں۔ چنانچہ خلافت کے خاندان کو ان کے بے لچک رویہ کے آگے سپر انداز ہونا پڑا اور بیت المال کی ساری دولت اور اثاثے دو ہفتے کے اندر قومی خزانے میں واپس آ گئے۔

تیسرا معاملہ حضرت عبد العزیزؒ نے یہ کیا کہ عام لوگوں کے ساتھ نرمی کا سلوک اختیار کیا اور سابقہ حکمرانوں کی طرف سے کیے جانے والے بہت سے سخت اقدامات انہوں نے واپس لے لیے۔ متعدد ٹیکس منسوخ کر دیے۔ عوام سے ٹیکسوں کی وصولی کا طریق کار آسان کر دیا۔ بالخصوص غیر مسلموں پر کی جانے والی زیادتیوں کا نوٹس لیا اور انہیں بہت سی سہولتیں فراہم کیں اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ لوگ اپنے حصہ کے واجبات خوشی سے ادا کرنے لگے اور بیت المال کی معاشی حالت مستحکم سے مستحکم تر ہوتی چلی گئی۔ اس سلسلہ میں حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے خود ایک بار فرمایا کہ عراق کے صوبہ میں لوگوں سے ٹیکسوں کی وصولی میں حجاج بن یوسفؒ کے دور میں بہت سختی ہوتی تھی اور متعدد ناجائز ٹیکس بھی لگائے گئے تھے اس کے باوجود عراق سے مرکز کو وصول ہونے والی رقم کبھی دو کروڑ اسی لاکھ درہم سے زیادہ نہیں بڑھی مگر میں نے وصولی کا نظام آسان کر دیا ہے اور بہت سے ٹیکس ختم کر دیے ہیں جس کی برکت سے میرے دور میں عراق سے مرکز کو وصول ہونے والی رقم سالانہ بارہ کروڑ درہم تک پہنچ گئی ہے۔

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے صرف اڑھائی سال حکومت کی مگر ان کے اقدامات اور طریق کار کی برکت سے اتنے مختصر عرصہ میں نہ صرف بیت المال مستحکم ہوا اور اس کے اثاثے اس کو واپس ملنے کے ساتھ ساتھ اس کی آمدنی میں بے تحاشا اضافہ ہوا بلکہ عام لوگوں تک خوشحالی کے اثرات پہنچے اور تاریخ کی روایات بتاتی ہیں کہ اس دور میں زکوٰۃ ادا کرنے والے اپنی زکوٰۃ کی رقم لے کر بازاروں میں گھومتے اور آوازیں دیتے تھے کہ کوئی مستحق ہو تو ان سے زکوٰۃ وصول کرے تا کہ وہ اپنی ذمہ داریوں سے سبکدوش ہوں مگر سوسائٹی میں کوئی زکوٰۃ کا مستحق نہیں ملتا تھا۔

اس لیے ہم جنرل پرویز مشرف اور ان کے رفقاء سے گزارش کرتے ہیں کہ اگر وہ احتساب کے سلسلہ میں اپنے عزم اور اعلان کو عملی جامہ پہنانا چاہتے ہیں تو حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے اس تین نکاتی فارمولا کو اپنائیں اور اس درویش صفت خلیفہ کے حالات زندگی کا بار بار مطالعہ کر کے اس کی پیروی کریں۔ ان شاء اللہ وہ بہت جلد اپنے ہدف کو پا لیں گے اور پاکستانی قوم حقیقی خوشحالی کے دور میں قدم رکھ سکے گی۔

دینی مدارس کا مقصد قیام اور معاشی کردار

ان دنوں دینی مدارس میں تعلیمی سال کا اختتام ہے' اس مناسبت سے ملک کے مختلف حصوں میں سالانہ امتحانات کے علاوہ ختم بخاری شریف کی تقریبات اور سالانہ جلسے منعقد ہو رہے ہیں اور چونکہ کچھ عرصہ سے یہ دینی مدارس عالمی میڈیا کی طرف سے کردار کشی کی مہم کا ایک بڑا ہدف ہیں اس لیے ان مجالس میں دینی مدارس کے قیام کے اسباب اور معاشرہ میں ان کے کردار کے حوالہ سے بھی گفتگو ہوتی ہے۔ راقم الحروف کو گزشتہ دنوں جامعہ علوم اسلامیہ میرپور آزاد کشمیر' جامعہ اسلامیہ کشمیر روڈ راولپنڈی صدر' جامعہ عربیہ اشاعت القرآن حضرو' جامعہ علوم شرعیہ بکری چوک ویسٹرج راولپنڈی اور جامعہ محمدیہ چانئہ چوک اسلام آباد میں اس نوعیت کی مجالس میں شرکت اور گفتگو کا موقع ملا اور دینی مدارس کے مقصد قیام اور ان کے کردار پر کچھ گزارشات پیش کرنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ ان میں سے دو تاریخی واقعات قارئین کی نذر کرنا چاہتا ہوں جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ دینی مداس کا یہ آزادانہ نظام قائم کرنے والے اکابر کے ذہنوں میں مقاصد اور ترجیحات کی ترتیب کیا تھی اور یہ بھی دیکھا جا سکتا ہے کہ دینی مدارس ان پر کہاں تک پورے اترتے ہیں؟

جس زمانے میں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے فرزند اور حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ کے والد محترم مولانا حافظ محمد احمدؒ دارالعلوم دیوبند کے مہتمم اور شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ صدر مدرس تھے' حافظ صاحبؒ کو اس وقت کی امیر ترین مسلم ریاست حیدر آباد کے نواب نے دعوت دی اور حیدر آباد کے دورے کے موقع پر ان سے کہا کہ دارالعلوم دیوبند کے چند فضلاء کو انہوں نے بعض ریاستی محکموں میں ملازم رکھا ہے اور وہ اہلیت اور کارکردگی دونوں میں دوسرے سرکاری ملازمین سے بہتر ثابت ہوئے ہیں اس لیے ان کی خواہش ہے کہ دارالعلوم دیوبند سے ہر سال جتنے علما فارغ ہوں وہ ان کے پاس بھیج دیے جائیں وہ اس کے عوض دارالعلوم کے سالانہ اخراجات ادا کرنے کے لیے تیار ہیں۔ البتہ سرکاری ملازمت کی ضرورت کے مطابق دارالعلوم دیوبند کے نصاب میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

چند تبدیلیاں کر دی جائیں تا کہ جو تھوڑی بہت کمی نظر آتی ہے وہ دور ہو جائے۔ مولانا حافظ محمد احمدؒ نے نواب حیدر آباد سے کہا کہ وہ واپس جا کر حضرت مولانا محمود حسن دیوبندیؒ سے مشورہ کے بعد حتمی جواب دیں گے۔ چنانچہ دیوبند واپس پہنچ کر انہوں نے ساری بات حضرت شیخ الہندؒ کو بتا دی۔ بظاہر یہ پیشکش بہت معقول تھی۔ اس سے دارالعلوم سے فارغ ہونے والے علماء کے روزگار کا مسئلہ بھی حل ہو رہا تھا اور دارالعلوم کے سالانہ اخراجات جمع کرنے کے جھنجھٹ سے بھی نجات مل رہی تھی مگر حضرت شیخ الہندؒ نے مہتمم صاحب سے کہا کہ ہمارے سرپرست حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ موجود ہیں۔ آپ ان کی خدمت میں جا کر ساری بات بتا دیں وہ جو ارشاد فرمائیں گے ہم اسی پر عمل کریں گے۔ مولانا حافظ محمد احمدؒ گنگوہ چلے گئے اور حضرت گنگوہیؒ کو نواب حیدر آباد کی پیشکش سے آگاہ کیا' اس کے جواب میں حضرت گنگوہیؒ نے فرمایا کہ بھائی ہم نے یہ مدرسہ حیدر آباد کی ریاست چلانے کے لیے نہیں بنایا بلکہ مسلمانوں کی مسجدیں اور مدرسے آباد رکھنے کے لیے بنایا ہے تا کہ عام مسلمانوں کو مسجد میں نماز پڑھانے کے لیے امام اور قرآن کریم پڑھانے کے لیے حافظ ملتے رہیں۔ اس لیے نواب حیدر آباد کی ریاست جائے بھاڑ میں' ہم اس کی خاطر اپنے کام کا رخ تبدیل نہیں کر سکتے۔

گزشتہ ڈیڑھ سو برس کی تاریخ گواہ ہے کہ پورے جنوبی ایشیا میں نماز باجماعت اور قرآن کریم کی تعلیم کا جو نظام کسی تعطل کے بغیر قائم ہے اسے امام اور حافظ مہیا کرنے کا کام انہی مدارس نے سرانجام دیا ہے اور عالم اسباب میں اگر یہ مدارس نہ ہوتے تو لاکھوں مساجد و مدارس کا یہ وسیع نیٹ ورک کسی طور بھی کام نہ کر پاتا اور جنوبی ایشیا کا یہ خطہ بھی دوسرا اسپین بن جاتا۔

دوسرا واقعہ بھی حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ کے دور کا ہے مگر یہ دور وہ ہے جب مولانا محمود حسنؒ انگریزی اقتدار سے آزادی کے لیے ملک کے مختلف طبقات کے ساتھ ساتھ بیرونی ممالک بالخصوص جرمنی' جاپان' افغانستان اور ترکی کی خلافت عثمانیہ کے ساتھ روابط استوار کرنے کی کوشش کر رہے تھے اور تحریک ریشمی رومال کا تانا بانا بنا جا رہا تھا۔ دارالعلوم دیوبند میں اہتمام کے منصب پر حضرت مولانا حبیب الرحمان عثمانیؒ فائز تھے اور مجاہدین آزادی کے خلاف برطانوی حکومت کے ادارے جس تیزی کے ساتھ سرگرم عمل تھے اس کے پیش نظر دارالعلوم دیوبند کے منتظمین کو یہ خطرہ نظر آنے لگا تھا کہ کہیں اس کشمکش میں دارالعلوم دیوبند کا وجود اور اس کا تعلیمی نظام ہی خطرے میں نہ پڑ جائے۔ چنانچہ حضرت مولانا مناظر احسن گیلانیؒ لکھتے ہیں کہ حضرت مولانا حبیب الرحمان عثمانیؒ نے انہیں اپنا نمائندہ بنا کر شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندیؒ کے پاس بھیجا کہ ان سے معلوم کریں کہ وہ قومی سیاسیات میں کس حد تک آگے جانا چاہتے ہیں؟ حضرت شیخ الہند نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ:

"دیوبند کا مدرسہ ۱۸۵۷ء کی ناکامی کی تلافی کے لیے قائم کیا گیا تھا اس لیے تعلیم وتعلم اور درس وتدریس جن کا مقصد اور نصب العین ہے میں ان کی راہ میں مزاحم نہیں ہوں لیکن خود اپنے لیے تو اسی راہ کا انتخاب کیا ہے جس کے لیے یہ نظام میرے نزدیک حضرت الاستاذ مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے قائم کیا تھا' فرائض الہیہ جس حد تک بن پڑا ادا کرتا رہا اب آخری کام رہ گیا ہے جسے آخری حد تک کر گزروں گا۔" (حیات گیلانیؒ)

مولانا مناظر احسن گیلانیؒ لکھتے ہیں کہ اس کے ڈیڑھ دو برس بعد حضرت شیخ الہندؒ اپنے مشن پر حج کے ارادے سے حجاز روانہ ہو گئے مگر وہاں سے گرفتار کر کے مالٹا پہنچا دیے گئے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ' حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور حضرت مولانا محمود حسن دیوبندیؒ کے نزدیک دینی مدارس کے قیام کا مقصد جہاں یہ تھا کہ مسلمانوں کی مسجدیں اور مدرسے آباد رہیں اور انہیں نماز پڑھانے کے لیے امام اور قرآن کریم پڑھانے کے لیے حافظ کسی رکاوٹ کے بغیر ملتے رہیں وہاں ان مدارس کا اصل ہدف قوم میں آزادی کی روح کو قائم رکھنا اور اسے عالمی استعمار کے خلاف آزادی اور استقلال کی تعلیم دے کر اس محاذ پر مسلمانوں کی راہنمائی اور قیادت کرنا ہے۔ اس لیے دینی مدارس کے منتظمین سے گزارش ہے کہ وہ ان دونوں مقاصد کو ہمیشہ سامنے رکھیں اور اپنے تعلیمی و تربیتی نظام میں ایسے امور کا اہتمام کرتے رہیں جس سے ان مقاصد کی تکمیل کی راہ ہموار ہوتی ہو۔

☆ بقیہ: دینی مدارس کے خلاف پروپیگنڈا ☆

(۶) دینی مدارس کے طلبہ کی افغانستان کے جہاد اور کشمیر کی تحریک آزادی میں شرکت کو دشمنان اسلام دہشت گردی کے طور پر پیش کرتے ہیں جب کہ یہ حکومت کی ایماء کے بغیر ممکن ہی نہیں ہو سکتا تھا اور یہ دہشت گردی نہیں بلکہ عین وفاداری کا ثبوت تھا۔

(۷) دینی مدارس کے طلبہ قانون کا احترام کرنے والے' بڑوں کی عزت کرنے والے اور والدین کی خدمت کرنے والے ہیں جب کہ کالج کے طلبہ میں یہ خصائل شاذ و نادر ہی پائے جاتے ہیں۔

(۸) سب سے اہم چیز یہ کہ دینی مدارس میں کلام اللہ اور دین اسلام کی تعلیم دی جاتی ہے جس کے نام پر یہ ملک قائم کیا گیا ہے اور ملک کے دستور کا بنیادی جزو ہے جب کہ کالجوں میں چند تنظیموں کے علاوہ باقی سب تنظیمیں صوبائیت اور لسانیت کی بنیاد پر نفرت پھیلاتی ہیں۔ ملک توڑنے کا کھلے عام پراپیگنڈا کرتی ہیں۔

ہمارے دینی اداروں اور مدارس کے پاس الحمد للہ صلاحیت بھی ہے اور وسائل بھی۔ اگر اپنے خلاف شر انگیز پراپیگنڈہ کا تدارک کرنے اور اپنے مثبت پہلوؤں کو اجاگر کرنے میں مزید غفلت برتی گئی تو اس کے نتائج [illegible] ہو سکتے ہیں۔

© rasailojaraid.com